روزنامہ ٹیلی فون نمبر 213029 C.P.L/29

الفضل

ایڈیٹر: عبدالسمیع خان

سوموار 27 اکتوبر 2003ء 1424 ہجری-27 اخاء 1382 ہش جلد 53-88 نمبر 245

ارشادات عالیہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

صلوٰۃ کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں-اس کے بعد روزے کی عبادت ہے-افسوس ہے کہ اس زمانہ میں بعض (-) ایسے بھی ہیں جو کہ ان عبادات میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں-وہ اندھے ہیں اور خداتعالیٰ کی حکمت کاملہ سے آگاہ نہیں ہیں-تزکیہ نفس کے واسطے یہ عبادات لازمی پڑی ہوئی ہیں-یہ لوگ جس عالم میں داخل نہیں ہوئے اس کے معاملات میں بیہودہ دخل دیتے ہیں اور جس ملک کی انہوں نے سیر نہیں کی اس کی اصلاح کے واسطے جھوٹی تجویزیں پیش کرتے ہیں-ان کی عمریں دنیوی دھندوں میں گزرتی ہیں-دینی معاملات کی ان کو کچھ خبر ہی نہیں-کم کھانا اور بھوک برداشت کرنا بھی تزکیہ نفس کے واسطے ضروری ہے اس سے کشفی طاقت بڑھتی ہے انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا بالکل ابدی زندگی کا خیال چھوڑ دینا اپنے اوپر قہر الٰہی کا نازل کرنا ہے مگر روزہ دار کو خیال رکھنا چاہئے کہ روزے سے صرف یہ مطلب نہیں کہ انسان بھوکا رہے بلکہ خدا کے ذکر میں بہت مشغول رہنا چاہئے-آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بہت عبادت کرتے تھے-ان ایام میں کھانے پینے کے خیالات سے فارغ ہوکر اور ان ضرورتوں سے انقطاع کر کے تبتل الی اللہ حاصل کرنا چاہئے-بدنصیب ہے وہ شخص جس کو جسمانی روٹی ملی مگر اس نے روحانی روٹی کی پروا نہیں کی-جسمانی روٹی سے جسم کو قوت ملتی ہے ایسا ہی روحانی روٹی روح کو قائم رکھتی ہے اور اس سے روحانی قویٰ تیز ہوتے ہیں-خدا سے فیضیاب ہونا چاہو کہ تمام دروازے اس کی توفیق سے کھلتے ہیں-

(تقاریر جلسہ سالانہ 1906ء ص 20-21)

آگ سے آزادی کا مہینہ

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

جب ماہ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیطانوں اور سرکش جنوں کو جکڑ دیا جاتا ہے اور آگ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں-اور اس کا کوئی بھی دروازہ کھلا نہیں رہتا-اور جنت کے سب دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور کوئی بھی دروازہ بند نہیں رہتا-اور ایک منادی اعلان کرتا ہے اے خیر کے طالب آگے بڑھ اور اے شر کے خواہاں رک جا-اور آگ سے بچائے جانے والے اللہ کی خاطر آگ سے بچائے جاتے ہیں اور ایسا ہر رات ہوتا ہے-

(جامع ترمذی کتاب الصوم باب فی فضل شہر رمضان حدیث نمبر 618)

رمضان میں درس قرآن

امسال رمضان المبارک میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کے درس قرآن کریم پاکستانی وقت کے مطابق سہ پہر 4:25 سے لے کر انشاء اللہ 5:30 تک نشر ہوا کریں گے۔ یہ درس قرآن کریم انگریزی زبان میں ہونگے۔لیکن ان کا رواں اردو ترجمہ بھی نشر کیا جائے گا۔وہ احباب جو اردو زبان میں ترجمہ سننا چاہیں وہ اردو فریکوئینسی پر اپنے ریسیور Set کرلیں۔

ربوہ کے رہنے والے احباب کے لئے یہ وضاحت ہے کہ اس وقت جس چینل پر Ten Sports نشر کیا جا رہا ہے۔رمضان المبارک کے دوران اسی چینل پر قرآن کریم اردو ترجمہ کے ساتھ نشر کیا جائے گا۔انشاءاللہ

(نظارت اشاعت)

جناب عبدالکریم قدسی کیلئے پی ٹی وی علاقائی ایوارڈ کا اعزاز

اردو اور پنجابی کے معروف شاعر جناب عبدالکریم قدسی کو سال 2002ء میں پی ٹی وی کیلئے پنجابی نغمے لکھنے پر ''بہترین نغمہ نگار'' کا ایوارڈ دیا گیا ہے۔یہ ایوارڈ پاکستان ٹیلی وژن کی علاقائی ایوارڈ کی تقریب منعقدہ 15۔اکتوبر 2003ء بمقام الحمرا ہال لاہور میں دیا گیا اس موقعہ پر امجد اسلام امجد نے یہ ایوارڈ جناب قدسی کو دیا۔قبل ازیں شاعر موصوف کو ان کی کتاب ''سردل'' جو پنجابی غزلوں پر مشتمل ہے پر مسعود کھدر پوش اور پاکستان رائٹرز گلڈ ایوارڈ بھی مل چکے ہیں ۔اللہ تعالیٰ انہیں مزید اعزازات سے نوازے۔

عظمت اور شان والا مہینہ

آنحضرت ﷺ کا ایک پر معارف خطاب

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شعبان کی آخری تاریخ کو ہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

اے لوگو! تم پر ایک بڑی عظمت (اور شان) والا مہینہ سایہ کرنے والا ہے- ہاں! ایک برکتوں والا مہینہ جس میں ایک ایسی رات ہے جو (ثواب و فضیلت کے لحاظ سے) ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے- اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے فرض کئے ہیں اور اس کی رات کی عبادت کو نفل ٹھہرایا ہے- اس مہینہ میں جو شخص کسی نفلی عبادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرے تو اسے اس نفل کا ثواب عام دنوں میں فرض ادا کرنے کے برابر ملے گا- اور جس نے اس مہینے میں ایک فرض ادا کیا اسے عام دنوں کے ستر فرض کے برابر ثواب ملے گا- اور یہ مہینہ صبر کا (مہینہ) ہے- اور صبر کا ثواب جنت ہے- اور یہ ہمدردی و غمخواری کا مہینہ ہے اور ایسا مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھایا جاتا ہے- جو شخص اس مہینہ میں روزہ دار کی افطاری کرواتا ہے تو یہ عمل اس کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جاتا ہے اور اسے آگ سے آزاد کیا جاتا ہے- اور اسے روزہ دار کے اجر کے برابر ثواب ملتا ہے- بغیر اس کے کہ روزہ دار کے اجر میں کچھ کمی ہو- (صحابہ کرامؓ بیان کرتے ہیں) ہم نے حضورؐ سے سوال کیا- ہم میں سے ہر ایک کی اتنی توفیق نہیں کہ روزہ دار کی افطاری کا انتظام کر سکے تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا- اللہ تعالیٰ افطاری کا یہ ثواب اس شخص کو بھی عطا کرتا ہے جو روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ میں پانی ملا کر دودھ کی کچی لسی یا کھجور سے یا پانی کے ایک گھونٹ سے ہی روزہ کھلوا دیتا ہے- اور جو روزہ دار کو سیر کر کے پیٹ بھر کے کھلائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے میرے حوض سے ایسا شربت پلائے گا کہ اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی- یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو گا-

اور یہ ایسا مہینہ ہے جس کی ابتداء نزول رحمت ہے اور جس کا وسط مغفرت کا وقت ہے- اور جس کا آخر کامل اجر پانے یعنی آگ سے آزادی کا زمانہ ہے-

اور جو شخص اس مہینے میں اپنے مزدور یا خادم سے اس کے کام کا بوجھ ہلکا کرتا ہے اور کم خدمت لیتا ہے- اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی بخش دے گا اور اسے آگ سے آزاد کر دے گا- (مشکوٰۃ کتاب الصوم)

دعوت الی اللہ کے سنہری گر

(98)

پر حکمت نصائح ایمان افروز واقعات

مرتبہ: عبدالستار خان صاحب

ایمانی جرأت

فروری 1956ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا سالانہ اجلاس امرتسر میں منعقد ہوا۔ اس غیر معمولی اجتماع کے موقع پر محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کی قیادت میں جماعت احمدیہ کے ایک وفد نے تعلیم یافتہ اور تحقیق پسند لوگوں کو پیغام حق پہنچایا۔ اس مقصد کے لئے درج ذیل لٹریچر تیار کیا گیا۔

(1) آسمانی تحفہ (اردو، ہندی، گورمکھی)

اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہوا کہ جن جن لوگوں نے اس ٹریکٹ کو پڑھ کر جماعت احمدیہ سے اپنی مشکلات کے ازالہ کے لئے درخواست دعا کی ان میں سے کافی تعداد میں لوگوں نے اپنی مشکلات کے ازالہ کی اطلاع دیتے ہوئے احمدیہ جماعت کا شکریہ ادا کیا۔

(2) آسمانی پیغام (اردو، ہندی، گورمکھی)

اس کتابچہ میں احمدیت کی مخصوص تعلیمات اور ان کی فوقیت اور افادیت کا اظہار کانگریس کے لیڈروں کو مخاطب کر کے کیا گیا۔

(3) اسی مضمون کو تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ A Heavenly Call کے نام سے انگریزی میں شائع کیا۔

اس نئے لٹریچر کے علاوہ اس سے پیشتر شائع شدہ لٹریچر جس میں قرآن کریم انگریزی و گورمکھی اور اسلامی اصول کی فلاسفی (اردو انگریزی) وغیرہ کتب شامل تھیں انہیں کثرت کے ساتھ تعلیم یافتہ طبقہ میں تقسیم کیا گیا۔

تقسیم لٹریچر کا کام علاوہ کانگریس اجتماع اور جلوسوں میں شہر کی مناسب جگہوں پر کھڑے ہو کر کرنے کے، کانگریس نمائش میں 2 دوکانیں کرایہ پر لے کر بھی پیغام حق پہنچایا گیا۔ آریہ سماج نے جب احمدیہ جماعت قادیان کی دعوت الی اللہ میں سرگرمی کو دیکھا تو حیران رہ گئے اور ان کے بعض ذمہ دار لوگوں نے کہا کہ:۔

''ہم تو سمجھتے تھے کہ (مومن) مشرقی پنجاب سے ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے ہیں لیکن یہ احمدیہ جماعت پھر زندہ ہو گئی ہے''۔

آریوں کے پاس اس موقعہ پر اشاعت کے لئے کوئی موزوں لٹریچر نہ تھا اس لئے انہوں نے کوشش کر کے نمائش گاہ میں ہمارے بک سٹالوں کو بند کروا دیا لیکن اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے پاک سلسلہ کی تائید فرماتا ہے چنانچہ اس موقعہ پر بھی باوجود آریہ سماجی لیڈروں اور بعض سرکاری افسران کی مخالفت کے سردار اجل سنگھ صاحب چیئرمین نمائش کے ذریعہ سے ہمارے بک سٹالوں کو کھلوا دیا اور آریہ سماج کے لئے سوائے حسرت کے اور کچھ نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر سلسلہ حقہ کی تائید میں ایسی ہوا چلائی کہ پنجاب کے فنانس منسٹر پنڈت موہن لال صاحب خاص طور پر بیجناتھ ہائی سکول امرتسر میں احمدیہ وفد کی رہائش گاہ پر تشریف لائے اور محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کو رہائش کے متعلق یا کسی اور جہت سے کوئی دقت تو نہیں؟

جب ہمارے درویش احباب جلوس کے موقعہ پر لٹریچر تقسیم کر رہے تھے تو عام پبلک جوق در جوق ان کی طرف کھنچی آتی تھی یہاں تک کہ کئی مقامات پر لوگوں کا اتنا ہجوم ہو جاتا تھا کہ ٹریفک میں روک پیدا ہو جاتی تھی۔ لوگ لٹریچر حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے کے اوپر گرتے تھے۔ چنانچہ ہال کے گیٹ کے باہر اس حالت کو دیکھ کر ایک پولیس حوالدار نے کہا کہ آپ لوگ یہاں لٹریچر تقسیم نہ کریں اس سے ٹریفک رک جاتا ہے۔ وہ ابھی یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ایک سب انسپکٹر پولیس وہاں آ گیا اور دریافت حالات کے بعد اس حوالدار کو ڈانٹ کر کہنے لگا کہ ان کو دعوت الی اللہ کرنے اور لٹریچر تقسیم کرنے کا پورا پورا حق ہے کوئی ان کو روک نہیں سکتا تم پیچھے ہو جاؤ اور ان کے کام میں مزاحم نہ ہو۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت تھی۔

کانگریس پنڈال کے باہر جب ہمارے احباب لٹریچر تقسیم کر رہے تھے تو یو۔ پی کا ایک مسلمان جرنلسٹ ہمارے احباب کے قریب آیا اور حیرت زدہ ہو کر پوچھنے لگا کہ آپ لوگ کیا تقسیم کر رہے ہیں؟ اس غیر مانوس اور بدلے ہوئے ماحول میں آپ کا دینی لٹریچر کو تقسیم کرنا ایک بڑا کارنامہ اور جرأت مندانہ فعل ہے ہم تو اس ایمانی جرأت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان کو بتایا گیا کہ جماعت احمدیہ کے افراد 1947ء، 1948ء کے نہایت پرخطر حالات میں بھی اعلائے کلمۃ اللہ کا فریضہ ادا کرتے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس قلیل جماعت کی کوششوں کو بارآور کرتا ہے۔ وللّٰہ الحمد۔ (ماہنامہ الفرقان درویشان قادیان نمبر ص 18)

پبلشر آغا سیف اللہ پرنٹر قاضی منیر احمد، مطبع ضیاء الاسلام پریس مقام اشاعت دارالنصر غربی چناب نگر (ربوہ) قیمت تین روپے پچاس پیسے

حضرت مصلح موعود کے بیان فرمودہ

سیدنا حضرت مسیح موعود کے ایمان افروز واقعات اور پر معارف ارشادات

ان میں تعلیم و تربیت کے نوادرات پنہاں ہیں

مرتبہ: حبیب الرحمان زیروی صاحب

آل محمدؐ کی عظمت

حضرت مسیح موعود سے میں نے ایک واقعہ سنا ہوا ہے کہ ہارون الرشید نے امام موسیٰ رضا کو کسی وجہ سے قید کر دیا۔ اور ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں رسیاں باندھ دی گئیں اس زمانہ میں سپرنگ دار گدیلے تو نہ تھے عام روئی کے گدیلے ہوتے تھے۔ ہارون الرشید اپنے محل میں آرام دہ گدیلوں پر سویا ہوا تھا کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور آپ کے چہرہ پر غضب کے آثار ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ہارون الرشید! تم ہم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو مگر تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم تو آرام دہ گدیلوں پر گہری نیند سو رہے ہو۔ اور ہمارا بچہ شدت گرما میں ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے قید خانہ کے اندر پڑا ہے۔ یہ نظارہ دیکھ کر ہارون الرشید بیتاب ہو کر اٹھ بیٹھا۔ اور ایک کمانڈر کو ساتھ لے کر اسی جیل خانہ میں گیا اور اپنے ہاتھ سے ان کے ہاتھوں اور پاؤں کی رسیاں کھولیں۔ انہوں نے ہارون الرشید سے کہا۔ آپ تو اتنے مخالف تھے اب کیا بات ہوئی کہ خود چل کر یہاں آ گئے۔ ہارون الرشید نے اپنا خواب سنایا اور کہا میں آپ سے معافی چاہتا ہوں میں اصل حقیقت کو نہ جانتا تھا اب دیکھو اس زمانہ میں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں کتنا بڑا فاصلہ تھا۔ ہم نے کئی بادشاہوں کی اولادوں کو دیکھا ہے کہ وہ در بدر دھکے کھاتی پھرتی ہیں۔ میں نے خود دہلی میں ایک سقہ دیکھا جو شاہان مغلیہ کی اولاد میں سے تھا۔ وہ لوگوں کو پانی پلاتا پھرتا تھا مگر اس میں اتنی حیا ضرور تھی کہ مانگتا کچھ نہ تھا۔ دوسری طرف حضرت علیؓ کی اولاد کو دیکھو کہ اتنی پشتیں گزرنے کے بعد بھی خدا تعالیٰ ایک بادشاہ کو رویا میں ڈراتا ہے۔ اور ان سے حسن سلوک کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ اگر حضرت علیؓ کو اس اعزاز کا پتہ ہوتا اور ان کو غیب کا علم حاصل ہوتا اور وہ محض اس عزت افزائی کے لئے اسلام قبول کرتے تو ان کا ایمان صرف سودا اور دوکانداری رہ جاتا۔ کسی انعام کا موجب نہ بنتا۔

(تفسیر کبیر جلد نہم ص26)

صداقت احمدیت کا نشان

حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں ایک دفعہ کپورتھلہ کے احمدیوں اور غیر احمدیوں کا وہاں کی ایک (......) کے متعلق مقدمہ ہو گیا جس جج کے پاس یہ مقدمہ تھا اس نے مخالفانہ رویہ اختیار کرنا شروع کر دیا۔ اس پر کپورتھلہ جماعت نے گھبرا کر حضرت مسیح موعود کو دعا کے لئے خط لکھا۔ حضرت مسیح موعود نے اس کے جواب میں انہیں تحریر فرمایا کہ اگر میں سچا ہوں تو (.........) تم کو مل جائے گی۔ مگر دوسری طرف جج نے اپنی مخالفت بدستور جاری رکھی اور آخر اس نے احمدیوں کے خلاف فیصلہ لکھ دیا۔ مگر دوسرے دن جب وہ فیصلہ سنانے کے لئے عدالت میں جانے کی تیاری کرنے لگا تو اس نے نوکر سے کہا مجھے بوٹ پہنا دو نوکر نے ایک بوٹ پہنایا اور دوسرا ابھی پہنا ہی رہا تھا کہ کھٹ کی آواز آئی۔ اس نے اوپر دیکھا۔ تو جج کا ہارٹ فیل ہو چکا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد دوسرے جج کو مقرر کیا گیا اور اس نے پہلے فیصلہ کو بدل کر ہماری جماعت کے حق میں فیصلہ کر دیا جو دوستوں کے لئے ایک بہت بڑا نشان ثابت ہوا۔ اور ان کے ایمان آسمان تک جا پہنچے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اپنے انبیاء کے ذریعہ متواتر غیب کی خبریں دیتا ہے جن کے پورا ہونے پر مومنوں کے ایمان اور بھی ترقی کر جاتے ہیں۔ یہ غیب کی خبروں کا ہی نتیجہ تھا کہ جو لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ان کے دل اس قدر مضبوط ہو گئے کہ اور لوگ تو موت کو دیکھ کر روتے ہیں۔ مگر صحابہ میں سے کسی کو جب خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کا موقعہ ملتا تو وہ خوشی سے اچھل پڑتا اور کہتا فزت و رب الکعبہ۔ رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا آخر یہ روح ان کے اندر کہاں سے آ گئی تھی۔

(تفسیر کبیر جلد ہفتم ص28-27)

جس کی نوکری کرنی تھی کر لی ہے

مجھے ایک سکھ نے بتایا کہ ہم دو بھائی تھے ہمارے والد صاحب بڑے مرزا صاحب (یعنی مرزا غلام مرتضیٰ صاحب) کے پاس آیا کرتے تھے۔ اور ہم بھی بسا اوقات ان کے ساتھ آ جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مرزا صاحب نے ہمارے والد صاحب سے کہا کہ تمہارے لڑکے غلام احمد کے پاس آتے جاتے ہیں۔ تم ان سے کہو کہ اسے جا کر سمجھائیں۔ ہم دونوں جب آپ کے پاس جانے کے لئے تیار ہو گئے تو مرزا صاحب نے کہا غلام احمد کو باہر جا کر کہنا کہ تمہارے والد کو اس خیال سے بہت دکھ ہوتا ہے کہ اس کا چھوٹا لڑکا اپنے بڑے بھائی کی روٹیوں پر پلے گا۔ اسے کہو کہ میری زندگی میں ہی کوئی کام کر لے میں کوشش کر رہا ہوں کہ اسے کوئی اچھی نوکری مل جائے میں مر گیا تو پھر سارے ذرائع بند ہو جائیں گے۔ اس سکھ نے بتایا کہ ہم مرزا غلام احمد صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ آپ کے والد صاحب آپ کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ انہیں یہ دیکھ کر کہ آپ کچھ کام نہیں کرتے بہت دکھ ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر میں مر گیا تو غلام احمد کا کیا بنے گا۔ آپ اپنے والد صاحب کی بات کیوں نہیں مان لیتے۔ آپ کے والد صاحب اس وقت کپورتھلہ میں کوشش کر رہے تھے اور کپورتھلہ کی ریاست نے آپ کو ریاست کا افسر تعلیم مقرر کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ سکھ کہنے لگا کہ جب ہم نے یہ بات کہی کہ آپ اپنے والد صاحب کی بات کیوں نہیں مان لیتے۔ آپ کچھ کام کر لیں تو آپ نے فرمایا والد صاحب تو یونہی غم کرتے رہتے ہیں۔ انہیں میرے مستقبل کا کیوں فکر ہے۔ میں نے تو جس کی نوکری کرنی تھی کر لی ہے۔ ہم واپس آ گئے اور مرزا غلام مرتضیٰ صاحب سے آ کر ساری بات کہہ دی۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ اگر اس نے یہ بات کہی ہے تو ٹھیک کہا ہے وہ جھوٹ نہیں بولا کرتا۔

یہ آپ کی ابتداء تھی اور پھر ابھی تو انتہا نہیں ہوئی لیکن جو عارضی انتہا نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی وفات کے وقت ہزاروں ہزار آدمی آپ پر قربان ہونیوالا موجود تھا۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

لفاظات الموائد کان اکلی
وصرت الیوم مطعام الاھالی

ایک وہ زمانہ تھا جب بچے ہوئے ٹکڑے مجھے دیئے جاتے تھے اور آج میرا یہ حال ہے کہ میں سینکڑوں خاندانوں کو پال رہا ہوں۔ آپ کی ابتداء کتنی چھوٹی تھی مگر آپ کی انتہا ایسی ہوئی کہ علاوہ ان لوگوں کے جو خدمت کرتے تھے لنگر میں روزانہ دو اڑھائی سو آدمی کھانا کھاتے تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ اپنے والد کی جائیداد میں اپنے بھائی کے برابر کے شریک تھے۔ لیکن زمینداروں میں یہ عام دستور ہے کہ جو کام کرے وہ تو جائیداد میں شریک سمجھا جاتا ہے اور جو کام نہیں کرتا وہ جائیداد میں شریک نہیں سمجھا جاتا اور یہ دستور ابھی تک چلا آتا ہے۔ لوگ عموماً کہہ دیتے ہیں کہ جو کام نہیں کرتا اس کا جائیداد میں کیا حصہ ہو سکتا ہے۔ آپ کے پاس جب کوئی ملاقاتی آتا اور آپ اپنی بھاوجہ کو کھانے کے لئے کہلا بھیجتے تو وہ آگے سے کہہ دیتیں کہ وہ یونہی کھا پی رہا ہے۔ کام کاج تو کوئی کرتا نہیں۔ اس پر آپ اپنا کھانا اس مہمان کو کھلا دیتے اور خود فاقہ کر لیتے یا چنے چبا کر گزارہ کر لیتے۔ خدا کی قدرت ہے کہ وہی بھاوجہ جو اس وقت آپ کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ بعد میں میرے ہاتھ پر احمدیت میں داخل ہوئیں۔ غرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کوئی کام شروع کیا جاتا ہے تو اس کی ابتداء بڑی نظر نہیں آیا کرتی لیکن اس کی انتہا پر دنیا حیران ہو جاتی ہے۔

(تفسیر کبیر جلد ہفتم ص102-101)

الہام کی صداقت

موجودہ زمانہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود کو سرخی کے چھینٹوں والا کشف دکھایا گیا۔ تو سرخی کے چھینٹے نہ صرف آپ کی قمیص پر پائے گئے بلکہ ایک قطرہ میاں عبداللہ صاحب سنوری کی ٹوپی پر بھی آ گرا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس نشان میں ان کو بھی شریک کر لیا۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں مجھے بتایا گیا کہ آج رات حضرت مسیح موعود پر یہ الہام نازل ہوا ہے کہ انی مع الافواج اتیک بغتۃ۔ صبح حضرت مسیح موعود نے اشاعت کے لئے اپنے الہامات لکھ کر دیئے تو اتفاقاً آپ کو یہ الہام لکھنا یاد نہ رہا۔ میں نے حضرت مسیح موعود سے کہا

کہ مجھے تو آج رات ایک فرشتہ نے بتایا تھا کہ آپ کو یہ الہام ہوا ہے کہ انی مع الافواج اتیک بغتة مگر آپ نے جو الہامات لکھے ہیں ان میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے مجھے یہ الہام ہوا تھا مگر لکھنا یاد نہیں رہا۔ پھر آپ اندر سے اپنے الہامات کی کاپی اٹھالائے اور مجھے فرمایا کہ دیکھو اس میں میں نے یہ الہام درج کیا ہوا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس الہام کو بھی اخبار میں شائع کروادیا۔ اب دیکھو ادھر ایک الہام حضرت مسیح موعود پر نازل ہوا ہے اور ادھر اللہ تعالیٰ مجھے بھی بتا دیتا ہے کہ ان الفاظ میں آپ پر الہام نازل ہوا اور صبح معلوم ہوتا ہے کہ بات بالکل درست تھی۔
(تفسیر کبیر جلد ہفتم ص 416-115)

نور کا ستون

حضرت مسیح موعود لاہور تشریف لے گئے تو وہاں ایک جلسہ میں آپ نے تقریر فرمائی۔ ایک غیر احمدی دوست شیخ رحمت اللہ صاحب وکیل بھی اس تقریر میں موجود تھے۔ وہ کہتے ہیں دوران تقریر میں میں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود کے سر سے نور کا ایک ستون نکل کر آسمان کی طرف جا رہا تھا۔ اس وقت میرے ساتھ ایک اور دوست بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں کہا دیکھو وہ کیا چیز ہے۔ انہوں نے دیکھا تو فوراً کہا کہ یہ تو نور کا ستون ہے جو حضرت مرزا صاحب کے سر سے نکل کر آسمان تک پہنچا ہوا ہے۔ اس نظارہ کا شیخ رحمت اللہ صاحب پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے اسی دن حضرت مسیح موعود کی بیعت کر لی۔
(تفسیر کبیر جلد ہفتم ص 121-120)

دل اللہ کی یاد میں گم

حضرت مسیح موعود کسی بزرگ کا یہ مقولہ سنایا کرتے تھے کہ "دست درکار و دل بایار" یعنی انسان کے ہاتھ تو کاموں میں مشغول ہونے چاہئیں لیکن اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ اسی طرح ایک بزرگ کے متعلق مشہور ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ میں کتنی دفعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کروں۔ تو انہوں نے کہا کہ "محبوب کا نام لینا اور پھر گن گن کر"۔ تو اصل ذکر وہی ہے جو ان گنت ہو۔ مگر ایک معین وقت مقرر کرنے میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ انسان اس وقت اپنے محبوب کے لئے اور کاموں سے بالکل الگ ہو جاتا ہے اور چونکہ یہ دونوں حالتیں ضروری ہیں اس لئے صحیح طریق یہی ہے کہ معین رنگ میں بھی ذکر الٰہی کیا جائے اور غیر معین طور پر بھی اٹھتے بیٹھے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے اور اس کے فضلوں اور احسانات کا بار بار ذکر کیا جائے۔
(تفسیر کبیر جلد ہفتم ص 309)

خدا تعالیٰ کا ہو جانا

انسان کی فطرت میں محبت اور علاقہ کا مادہ رکھا ہے اور اس کی فطرت میں یہ بات مرکوز کر دی گئی ہے کہ وہ کسی کا ہو رہے حضرت مسیح موعود پنجابی کا ایک مصرع سنایا کرتے تھے جس کا مفہوم یہ تھا کہ یا تو تو کسی کا ہو جایا کوئی تیرا ہو جائے۔ پس خلق الانسان من علق کے ایک یہ معنے بھی ہیں کہ ہم نے انسانی فطرت میں محبت اور علاقہ کا مادہ رکھا ہے یعنی ہم نے اسے ایسی حالت پر پیدا کیا ہے کہ وہ سوائے اس کے چین پا ہی نہیں سکتا کہ وہ کسی کا ہو رہے۔ بیشک جب تک اسے اصل چیز نہیں ملتی اس وقت تک وہ کبھی بیوی کا ہو رہتا ہے کبھی بہن بھائی کا ہو رہتا ہے کبھی ماں باپ کا ہو رہتا ہے کبھی دوستوں کا ہو رہتا ہے اور اس طرح وہ درمیان میں بھولتا پھرتا ہے مگر جب خدا تعالیٰ کے ملنے کا راستہ اس پر کھل جاتا ہے تو پھر وہ خدا تعالیٰ کا ہی ہو جاتا ہے۔
(تفسیر کبیر جلد ہفتم ص 324)

قصوروں کی سزا

حضرت مسیح موعود ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ایک دفعہ اپنے باورچی کو محض اس جرم میں کہ کھانے میں اس نے کچھ نمک زیادہ ڈال دیا تھا ایک سو کوڑے لگانے کی سزا دی۔ عزیز الدین ایک مسلمان ان کے وزیر تھے۔ وہ بڑے نرم دل تھے۔ کہنے لگے، یہ بادشاہ کی شان سے بعید ہے کہ کھانے میں ذرا سا نمک زیادہ ہو جائے تو وہ اس پر چڑ کر ایک سو کوڑے لگانے کا حکم دے دے مہاراجہ کہنے لگا۔ وزیر صاحب! آپ یہ خیال نہ کریں کہ میں اسے نمک کی زیادتی پر یہ سزا دے رہا ہوں۔ اس نے میرا ایک سو بکرا کھایا ہوا ہے اور ایک ایک بکرے پر ایک ایک درے کی سزا میں اسے دے رہا ہوں۔ کھانے میں نمک کی زیادتی محض ایک بہانہ ہے۔ اس ذریعہ سے تو مجھے اس کو گزشتہ قصوروں کی سزا دینے کا موقع مل گیا ہے۔
(تفسیر کبیر جلد ہفتم ص 389)

تقویٰ اور فتویٰ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا میں بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے لوگوں کے لئے نمونہ کے طور پر پیدا کیا ہوتا ہے۔ میں نے خود حضرت مسیح موعود سے سنا ہے۔ کہ کسی نے ایک بزرگ سے سوال کیا کہ کتنے روپوؤں پر زکوٰۃ فرض ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے لئے یہ مسئلہ ہے کہ تم چالیس روپے میں سے ایک روپیہ زکوٰۃ دو۔ اس نے کہا۔ "تمہارے لئے" کا کیا مطلب ہے۔ کیا زکوٰۃ کا مسئلہ بدلتا رہتا ہے؟ انہوں نے کہا۔ ہاں، تمہارے پاس چالیس روپے ہوں تو ان میں سے ایک روپیہ زکوٰۃ دینا تمہارے لئے ضروری ہے۔ لیکن اگر میرے پاس چالیس روپے ہوں تو مجھ پر اکتالیس روپے دینے لازمی ہیں کیونکہ تمہارا مقام ایسا ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم کماؤ اور کھاؤ۔ لیکن مجھے وہ مقام دیا ہے کہ میرے اخراجات کا وہ آپ کفیل ہے اگر بیوقوفی سے میں چالیس روپے جمع کر لوں تو میں وہ چالیس روپے بھی دونگا اور ایک روپیہ جرمانہ بھی دونگا۔
(تفسیر کبیر جلد ہفتم ص 546)

مومن کا ثبات قدم

حضرت مسیح موعود جب سیالکوٹ تشریف لے گئے تو مولویوں نے یہ فتویٰ دے دیا کہ جو شخص مرزا صاحب کے پاس جائے گا یا ان کی تقریروں میں شامل ہوگا۔ اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ یہ کافر اور دجال ہیں ان سے بولنا ان کی باتیں سننا اور ان کی کتابیں پڑھنا بالکل حرام ہے۔ بلکہ ان کو مارنا اور قتل کرنا ثواب کا موجب ہے مگر آپ کی موجودگی میں انہیں فساد کی جرأت نہ ہوئی۔ کیونکہ چاروں طرف سے احمدی جمع تھے۔ انہوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ ان کے جانے کے بعد فساد کیا جائے۔ میں بھی اس وقت آپ کے ساتھ تھا۔ جب حضرت مسیح موعود وہاں سے روانہ ہوئے اور گاڑی میں سوار ہوئے تو دور تک آدمی کھڑے تھے جنہوں نے پتھر مارنے شروع کر دیئے۔ مگر چلتی گاڑی پر پتھر کس طرح لگ سکتے تھے۔ شاذ و نادر ہی ہماری گاڑی کو کوئی پتھر لگتا۔

وہ مارتے تھے ہم کو تھے اور لگتا ان کے کسی اپنے آدمی کو تھا۔ پس ان کا یہ منصوبہ تو پورا نہ ہو سکا۔ باقی احمدی جو حضرت مسیح موعود کی وجہ سے وہاں جمع تھے ان میں سے کچھ تو اردگرد کے دیہات کے رہنے والے تھے جو آپ کی واپسی کے بعد ادھر ادھر پھیل گئے اور جو تھوڑے سے مقامی احمدی رہ گئے یا باہر کی جماعتوں کے مہمان تھے ان پر مخالفین نے اسٹیشن پر ہی حملے شروع کر دیئے۔ ان لوگوں میں سے جن پر حملہ ہوا ایک مولوی برہان الدین صاحب بھی تھے۔ مخالفوں نے ان کا تعاقب کیا۔ پتھر مارے اور برا بھلا کہا۔ اور آخر ایک دوکان میں انہیں گرا لیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ گوبر لاؤ ہم اس کے مونہہ میں ڈالیں۔ چنانچہ وہ گوبر لائے اور انہوں نے مولوی برہان الدین صاحب کا منہ کھول کر اس میں ڈال دیا۔ جب وہ انہیں مار رہے تھے اور گوبر ان کے مونہہ میں ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے تو بجائے اس کے کہ مولوی صاحب انہیں گالیاں دیتے یا شور مچاتے جنہوں نے وہ نظارہ دیکھا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ وہ بڑے اطمینان اور خوشی سے یہ کہتے جاتے تھے کہ سبحان اللہ! یہ دن کسے نصیب ہوتا ہے۔ یہ دن تو اللہ تعالیٰ کے نبیوں کے آنے پر ہی نصیب ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے جس نے مجھے یہ دن دکھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی دیر میں ہی جو لوگ حملہ کر رہے تھے ان کے نفس نے انہیں ملامت کی اور وہ شرمندگی اور ذلت سے آپ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ تو بات یہ ہے کہ جب دشمن دیکھتا ہے کہ یہ لوگ موت سے ڈرتے ہیں تو کہتا ہے آؤ ہم انہیں ڈرائیں۔
(تفسیر کبیر جلد ہفتم ص 582)

ماں باپ سے حسن سلوک

ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے اور ان کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کرے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس زمانہ میں بہت سے نوجوان ایسے دکھائی دیتے ہیں جو اپنے ماں باپ کا مناسب احترام نہیں کرتے اور نہ ان کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں بلکہ اولاد میں سے کسی کو اگر کوئی اچھا عہدہ مل جائے تو وہ اپنے غریب والدین سے ملنے میں بھی شرم محسوس کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود سنایا کرتے تھے کہ کسی ہندو نے بڑی تکلیف برداشت کر کے اپنے لڑکے کو بی، اے یا ایم، اے کرایا اور اس ڈگری کو حاصل کرنے کے بعد وہ ڈپٹی ہو گیا۔ آج کل ڈپٹی ہونا کوئی بڑا اعزاز نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن پہلے وقتوں میں ڈپٹی ہونا بھی بڑی بات تھی۔ اس کے باپ کو خیال آیا کہ میرا لڑکا ڈپٹی ہو گیا ہے۔ میں بھی اس سے مل آؤں۔ چنانچہ جس وقت وہ ہندو اپنے بیٹے کو ملنے کے لئے مجلس میں پہنچا تو اس وقت اس کے پاس وکیل اور بیرسٹر وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ بھی اپنی غلیظ دھوتی کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گیا۔ باتیں ہوتی رہیں کسی شخص کو اس غلیظ آدمی کا بیٹھنا برا محسوس ہوا اور اس نے پوچھا کہ ہماری مجلس میں یہ کون آ بیٹھا ہے۔ ڈپٹی صاحب اس کی یہ بات سن کر کچھ جھینپ سے گئے اور شرمندگی سے بچنے کے لئے کہنے لگے یہ ہمارے ٹہلیا ہیں۔ باپ اپنے بیٹے کی یہ بات سن کر غصے کے ساتھ جل گیا۔ اور اپنی چادر سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا جناب میں ان کا ٹہلیا نہیں ان کی ماں کا ٹہلیا ہوں۔ ساتھ والوں کو جب معلوم ہوا کہ یہ ڈپٹی صاحب کے والد ہیں تو انہوں نے اس کو بہت لعن طعن کی اور کہا کہ اگر آپ ہمیں بتاتے تو ہم ان کی مناسب تعظیم و تکریم کرتے اور ادب کے ساتھ ان کو بٹھاتے۔ بہر حال اس قسم کے نظارے روزانہ دیکھنے میں آتے ہیں کہ لوگ رشتہ داروں کے ساتھ ملنے سے جی چراتے ہیں تا کہ ان کی اعلیٰ پوزیشن میں کوئی کمی واقع نہ ہو جائے۔ گویا ماں باپ کا نام روشن کرنا تو الگ رہا ان کے نام کو بٹہ لگانے والے ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر کبیر جلد ہفتم ص 593)

دینی غیرت

حضرت مسیح موعود ایک دفعہ لاہور یا امرتسر کے سٹیشن پر تھے کہ پنڈت لیکھرام بھی وہاں آ پہنچے اور اس نے آپ کو آ کر سلام کیا۔ چونکہ پنڈت لیکھرام آریہ سماج میں بہت بڑی حیثیت رکھتے تھے اس لئے جو لوگ حضرت مسیح موعود کے ساتھ تھے وہ بہت خوش ہوئے کہ لیکھرام آپ کو سلام کرنے کیلئے آیا ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود نے ان کی طرف ذرا بھی توجہ نہ کی اور جب یہ سمجھ کر کہ شاید آپ نے دیکھا نہیں کہ پنڈت لیکھرام صاحب سلام کر رہے ہیں آپ کو اس طرف توجہ دلائی گئی آپ نے بڑے جوش سے فرمایا کہ اسے شرم نہیں آتی کہ میرے آقا کو تو گالیاں دیتا ہے اور مجھے آ کر سلام کرتا ہے۔ گویا آپ نے اس بات کی ذرا بھی پروا نہ کی کہ لیکھرام آیا ہے لیکن عام لوگوں کے نزدیک سب سے بڑی کامیابی یہی ہوتی ہے کہ کسی بڑے رئیس یا لیڈر سے ان کو ملنے کا اتفاق ہو جائے۔ چنانچہ جب کوئی ایسا شخص ان کے پاس آتا ہے وہ بڑی توجہ سے اس سے ملتے ہیں لیکن اگر کوئی غریب شخص آ جائے تو پروا بھی نہیں کرتے۔ (تفسیر کبیر جلد ہشتم ص 161)

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کا ایک لیکچر

سائنس، قیام امن اور اس کے مختلف پہلو

یہ تقریر ویانا آسٹریا میں 16 دسمبر 1985ء کو ایک میٹنگ میں کی گئی

ترجمہ: محمد زکریا ورک صاحب

ڈاکٹر عبدالسلام نے درج ذیل معنی خیز تقریر وی آنا (آسٹریا) میں 16 دسمبر 1985ء کو انڈی پنڈنٹ کمیشن فار انٹرنیشنل ہیومنی ٹرین ایشوز کے تحت ہونے والی ایک میٹنگ میں کی تھی۔ میں آئی سی ٹی پی کے لائبریرین M. Fasanella (Zobeni@ictp.trieste.it) کا مشکور ہوں جنہوں نے مجھے یہ تقریر فراہم کی۔

سائنس اور قیام امن کے تین پہلو

جنگ اور امن کے لئے بیسویں صدی میں سائنس مرکزی حقیقت کی حامل ہے۔ جہاں تک امن کا تعلق ہے سائنس اور امن کے قیام کے تین پہلو ہیں جن سے متعلق میں اظہار خیال کروں گا۔

(1) ترقی پذیر ممالک خاص طور پر سپر پاورز کے مابین امن، اس مسئلہ کے ضروری پہلو کا تعلق سائنس نیوکلیئر پیس سے ہے۔

(2) ترقی پذیر ممالک اور ترقی یافتہ (صنعتی) ممالک کے مابین امن۔ جرمنی کے سابق چانسلر ولی برانڈت Brandt نے اپریل 1985ء میں تھرڈ ورلڈ پرائز لیکچر دیتے ہوئے کہا تھا: ترقی یافتہ ممالک نے جو تباہ کن مشینری اکٹھی کی ہے وہ درحقیقت لوگوں کو ہلاک کر رہی ہے۔ باوجود اس کے کہ کوئی اسلحہ استعمال نہیں کیا جاتا .... دنیا اس وقت جو بلین ہا بلین ڈالر ملٹری مقاصد کے لئے خرچ کر رہی ہے۔ وہ فی الحقیقت نوع انسانی کے لکھو کھہا افراد کے موت کی سزا کا نوشتہ ہے۔

میں آج ایسے دلائل پیش کروں گا جن کے مطابق ولی برانڈت کے خیالات میں اس امر کو بھی شامل کرنا چاہئے نہ صرف وہ بلین ہا بلین ڈالر جن کا اس نے ذکر کیا ہے بلکہ اس سائنسی ٹیلنٹ اور مہارت کو بھی، جس میں دنیا کی کل سائنسی کوششوں اور ریسرچ کا نصف حصہ ملٹری R&D پر خرچ ہوتا ہے۔

(3) سائنس اور امن کے ایک اور پہلو کا تعلق ایک انفرادی سائنس دان کی ذاتی ذمہ داری سے ہے۔ سائنس اور امن کا یہ پہلو میرے علم میں اس وقت آیا جب برٹرینڈ رسل نے سائنس دانوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: (حضرات) اپنے آپ کو دھوکے میں نہ رکھو سیراکیوس (وسسلی) میں جب ارشمیدس نے اپنی اہلیت اور علم کو جنگ کے لئے استعمال کیا تھا سائنس دان اور ٹیکنالوجسٹ اپنی مہارت کو ظالم و غاصب لوگوں کے جنگی منصوبوں کو آگے بڑھانے کے لئے اپنے ممالک کے دفاع کے نام پر ہمیشہ استعمال کرتے آئے ہیں۔

خوش قسمتی سے اس ہال کے اندر موجود ہم لوگ سائنس دان اور اس کے امن سے باہمی رشتہ سے متعلق فکر کرنے سے متعلق اکیلے نہیں ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں دوسرے کئی ایک ملتے جلتے گروپس اب منظر عام پر آئے ہیں جیسے Physicians for Social Responsibility Physicians for the prevention of nuclear war اس گروپ میں ایسے ڈاکٹر شامل ہیں جنہوں نے نیوکلیئر ونٹر کے خلاف صدا بلند کی ہے اور اس گروپ کو امسال نوبیل کا امن کا انعام بھی دیا گیا ہے۔ پھر جوہری ہتھیاروں کے خلاف سائنس دانوں کا گروپ ہے نیز دوسرے گروپس:

Scientist against Nuclear Arms, Computer Professionals for Social Responsibility. Electronics Professional for Peace

مؤخر الذکر تین گروپس جن کا تعلق کمپیوٹر کے پروفیشن سے ہے وہ پچھلے کئی ماہ سے کافی دنیا کے سامنے آئے ہیں۔ انہوں نے کوشش کی ہے کہ وہ صدر ریگن کے نئے منصوبہ SDI کے تکنیکی مسائل سے عوام الناس کو آگاہ کریں۔ بدقسمتی سے ترقی یافتہ ممالک میں سائنس دانوں کا کوئی مؤثر ایسا گروپ نہیں جو سائنس اور امن کے ترقی یافتہ ممالک میں (یا سائنس اور امن کے مفقود ہونے) کے متعلق فکر کرے۔

میں نے عرض کیا کہ بیسویں صدی کی زندگی میں سائنس ایک مرکزی حقیقت ہے اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ آج کی موجودہ دنیا میں جس صورت میں یہ ہمیں نظر آتی ہے یہ گزشتہ سو سال کی سائنس اور ٹیکنالوجی کی پیداوار ہے۔ خاص طور پر وہ جیسے:

(1) سائنس اور ٹیکنالوجی جس نے غریب، بیماری اور جواں مرگی کو ترقی یافتہ ممالک سے ختم کر دیا (سویڈن کے ملک میں آج سے 150 سال قبل قحط آیا کرتے تھے)

(2) کمیونی اور ٹیلی کمیونی کیشن جس نے ایک دنیا کے تصور کو حقیقت کا روپ دے دیا ہے۔

(3) پبی سیلین انقلاب کے پیچھے مضمر ٹیکنالوجی جو آبادی میں زبردست اضافہ کی ذمہ دار ہے۔

(4) وہ ٹیکنالوجی جو ماڈرن فوڈ پروڈکشن، کیمیاوی اشیاء، کیڑے مار دوائیوں کی ذمہ دار ہے اور جس کی رحمت سے آج کی موجودہ آبادی زندہ ہے۔

اوپر بیان کردہ پہلو تو دراصل سائنس کے مثبت پہلو ہیں۔ جب کہ منفی پہلوؤں میں سائنس کا وہ پہلو ہے خاص طور پر ایسی ٹیکنالوجی جس کا تعلق جدید تباہ کن ہتھیاروں سے ہے۔ اور جس کی وجہ سے آج کی نسل کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے بارہ میں شبہات ہیں۔ خاص طور پر فزکس نے انسانیت کو جوہری تباہی کے دھانے پر لا کھڑا کیا ہے جب کہ میڈیسن اور بیالوجی باوجود یہ کہ انہوں نے امراء کی بیماریوں کو رفع کر دیا ہے۔ ان دو علوم نے غرباء کی بیماریوں کے لئے ترقی پذیر ممالک میں کچھ بھی نہیں کیا جہاں لوگوں کی اکثریت ملیریا وغیرہ جیسی موذی امراض سے جاں بحق ہو جاتے۔ ان امراض کے علاج کا ان کو ابھی تک انتظار ہے۔

اگر میڈیکل سائنس کا صحیح مصرف ہو تو یہ کیا کچھ کر سکتی ہے؟ اس کی ایک مثال چیچک کا دنیا سے حال ہی میں ختم ہو جانا ہے۔ جس کا سہرا ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے سر ہے۔ ایسی ہی دوسری امراض کا اس طور پر کیوں تدارک نہیں کیا جاتا؟ اس کی بڑی وجہ فنڈز کا نہ ہونا اور ایسی امراض پر طبی ریسرچ کا فقدان ہے۔

سائنسی ریسرچ کے لئے فنڈز کیوں نہیں مہیا کئے جاتے ہیں؟ اس ضمن میں میں آپ کے سامنے گلوبل اخراجات جو ریسرچ اینڈ ڈیویلپمنٹ R&D میں سائنس اور ٹیکنالوجی پر کئے جاتے ہیں۔ ان کے اعداد و شمار میں یہاں پیش کرتا ہوں جو پچھلے اکیس سالوں پر مشتمل ہیں:

	صنعتی ممالک	ترقی پذیر ممالک
جی این پی	70 ٹریلین	8 ٹریلین
ملٹری اخراجات	4 ٹریلین	0.8 ٹریلین
غیر ممالک کو امداد	0.3 ٹریلین	0.06 ٹریلین
آر اینڈ ڈی	1.2 ٹریلین	0.25 ٹریلین

1979ء میں اقوام متحدہ نے سائنس اور ٹیکنالوجی پر ایک کانفرنس کا اہتمام کیا۔ پسماندہ ممالک نے مطالبہ کیا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں ریسرچ کے لئے 2 بلین ڈالر دیے جائیں (خاص طور پر اطلاقی سائنس کے لئے) اس رقم کے علاوہ جو 2 بلین وہ اپنے ذرائع سے ہر سال اس ضمن میں پہلے ہی خرچ کرتے ہیں۔ (ایک فی صد سے 20 بلین ڈالر جی این پی بنتی ہے) مگر ان کو 70 بلین ڈالر کی امداد کی پیشکش ہوئی جو 1981ء میں 40 ملین ڈالر رہ گئی اور مزید کم تر ہو رہی ہے۔ قابل افسوس بات یہ ہے کہ غریب ممالک کی سائنسی کمیونٹیز کو امیر ممالک کی سائنس کمیونٹیز اور اس کے ساتھیوں سے کوئی امداد نہیں ملی تا در پیش صورت حال کا کوئی حل نکالا جا سکے۔

جوہری جنگ کے ضمن میں سائنسدانوں کی ذمہ داری

اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے میں سائنس اور ٹیکنالوجی میں فرق واضح کر دوں گا۔ نیز ہائی لیول سائنس دانوں اور ان کی ریسرچ کے غیر ضروری مصرف کا۔ اگر ہم ایسے فرق کو ملحوظ بھی رکھیں تب بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہائی لیول سائنس دان مثلاً جوہری ہتھیاروں کی تیاری میں کتنی جوابدہی کا ذمہ دار ہے؟

آیئے ذرا آئن سٹائن کی مثال لیتے ہیں جو اخلاقی طور پر تمام دنیا کا سب سے اعلیٰ متحرک سائنسدان تھا۔ اور جو بلاشبہ تمام سائنسی علوم میں سب سے زیادہ قدر و قیمت والا انسان تھا۔ آئن سٹائن نے e=ms square کا فارمولا وضع کیا تھا جو کہ جوہری مادہ کو تباہ کن انرجی میں ڈھالنے کا (مرکزی نقطہ) ہے۔ تو اس لحاظ سے اس ضمن میں اس کی کنٹری بیوشن کے بغیر اٹامک بم بنانا ممکن ہی نہ تھا۔

کہا جاتا ہے کہ وہ اس مشہور خط کا بھی مصنف تھا جو اس نے امریکی صدر روز ویلٹ کو لکھا تھا جس کے بعد مین ہاٹن پروجیکٹ شروع ہوا۔ مگر بعد میں اس پروجیکٹ میں شرکت کرنے سے اس نے انکار کر دیا اور جنگ عظیم دوم کے بعد پگواش موومنٹ Pugwash کا آغاز کیا۔

سائنس دان کی ذمہ داری سے متعلق سب سے مکمل تفصیلی بحث ورنر ہائزن برگ Heisenberg کی خودنوشت سوانح عمری فزکس اینڈ بیانڈ Physics & Beyond میں ملتی ہے۔ اس نے اس دور کا ذکر کیا ہے جب وہ اور جرمنی کے اٹامک گروپ کے اس

کے ساتھی سائنسدانوں بشمول Otto Hahn, Max Von Laue, W. Gerlach, Von Weizsacker, Karl Wirtz یونیورسٹی آف کیمبرج کے فارم ہال میں نظر بند کردیا گیا تھا۔

6/اگست 1945ء کی دوپہر کو انہوں نے خبروں کے خاص پروگرام میں سنا کہ ہیروشیما کے شہر پر اٹامک بم گرا دیا گیا ہے۔ ہائزن برگ کہتا ہے: پہلے تو میں نے اس خبر پر یقین کرنے سے انکار کردیا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ اٹامک بمب بنانے کے لئے لامحدود فنی کوششوں اور ملین در ملین ڈالر کے اخراجات کی ضرورت ہوگی۔ اس خبر کا سب سے زیادہ برا اثر آٹوہان Otto Hahn پر ہوا۔ یورنیم فشن جو کہ اس کی عظیم اہم دریافت تھی اس کا موجود ہونا جوہری ہتھیار بنانے کے لئے جزولاینفک تھا۔ اور اس دریافت سے اب ایک بڑے جاپانی شہر کو خس وخاشاک کر دیا گیا تھا۔ اس شہر کے مکین معصوم افراد تھے۔ آٹوہان اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ بہت بری طرح متاثر تھا۔ اور اس کی طبیعت میں اضمحلال تھا اور ہم سب کو خطرہ تھا کہ کہیں وہ اپنے آپ کو نقصان نہ پہنچائے۔

اس کے بعد ہائزن برگ اپنے اور وائزسیکر Weizsacker کے درمیان بحث کا ذکر کرتا ہے کہ آیا آٹوہان مجرم تھا یا نہیں؟

وائزسیکر نے کہا: ہمیں دریافت کرنے والے اور موجد کے درمیان فرق کو واضح کر دینا چاہئے آٹوہان کا فشن کا تجربہ دراصل ایک دریافت تھا۔ جب کہ ایٹم بم کا بنایا جانا ایک ایجاد تھا۔ وہ فزے سسٹ جنہوں نے امریکہ میں بم بنایا وہ موجود تھے۔ وہ خود اس ایجاد پر کام نہیں کر رہے تھے بلکہ جنگ میں شامل ایک گروہ کے براہ راست حکم پر عمل درآمد کر رہے تھے تا وہ اپنی فوج کے لئے زیادہ سے زیادہ سٹرائکنگ پاور حاصل کرلیں۔

ہائزن برگ نے اس کے جواب میں کہا: امریکہ کے فزے سسٹ شاید یہ خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ جرمنی ان سے پہلے ایٹم بم بنالے گا...... یقیناً یہ بات قابل فہم ہے میرے خیال میں ہم میں سے کوئی بھی اس اعتراض کی انگلی نہیں اٹھائے گا۔ خاص طور پر اگر اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ ہمارے جنگی کنسنٹریشن کیمپوں میں کیا کچھ نہیں ہوا...... ہمیں ان پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ ہم میں سے کون تھا جو نازی حکومت کے جرائم کو روک سکتا۔ یہ بات کہ ہمیں ان جرائم کے بارہ میں ٹھیک ٹھیک معلومات حاصل نہیں تھیں۔ یہ کوئی قابل قبول بہانہ نہیں ہے کیونکہ ہمیں ان جرائم کے بارہ میں جاننے کے لئے زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہئے تھی۔

وائزسیکر نے جواب دیا: اگر ہم تمہاری اس دلیل کو قبول کرلیں تو پھر ہمیں امریکن طبیعات دانوں کو مورد الزام نہیں ٹھہرانا چاہئے کہ انہوں نے اپنے اعتراضات اتنی بلند آواز سے نہیں اٹھائے کہ عوام الناس ان کو سن سکتے۔ اور ایٹم بم استعمال کرنے کا فیصلہ انہوں نے دوسروں پر چھوڑ دیا۔ قبل اس کے کہ وہ خود ایسا کر سکتے کیونکہ مجھے اس بات پر ذرا بھی شک نہیں کہ ایٹم بم گرانے کے برے اثرات ان پر شروع میں ظاہر و باہر نہیں تھے۔

ہائزن برگ نے جواب دیا: میں نہیں جانتا کہ لفظ الزام اس ضمن میں مناسب لفظ ہے کہ نہیں میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ اس معاملہ میں ہم اٹلانٹک کے اس پار اپنے دوست سائنس دانوں سے زیادہ خوش قسمت تھے۔

ہائزن برگ کتاب کے آخری ابواب میں جرمنی کے چانسلر ایڈے ناؤر Adenaur کے ساتھ اپنے جھگڑوں کا ذکر کرتا ہے۔ ایڈے ناؤر نے اعلانیہ کہا تھا کہ جوہری ہتھیاروں کا حصول ہمارے لئے اپنی آرٹیلری کے مضبوط کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں اور یہ کہ رہی ہتھیاروں اور جوہری ہتھیاروں کے درمیان صرف ایک ہی ڈگری کا فرق ہے۔

ہائزن برگ کہتا ہے کہ اوپر کا بیان صرف دھوکے کے ماسوا کچھ بھی نہیں تھا۔ اور ہم کچھ کرنے پر مجبور ہو گئے اور اپنے خیالات کا اعلانیہ اظہار کردیا۔ ہمیں یقین تھا کہ ہم اعلانیہ احتجاج میں مزید قوت پیدا کر سکتے تھے۔ اگر ہم بحیثیت منفرد انسان کے اٹامک پروگرام میں شرکت سے حلفیہ انکار کردیتے۔

یہ اس اعلانیہ کی بنیاد تھی جو 16/اپریل 1957ء کو شائع ہوا۔ اس کا اثر جرمن پبلک پر بہت ہوا۔ ایڈے ناؤر اس مہم سے کافی ناراض تھا کیونکہ یہ بات اس کے سیاسی عزائم کے برخلاف تھی۔ جس کو اس نے بڑی احتیاط سے چنا تھا۔ اس نے بہت سارے فزے سسٹ کو بون Bonn کے دارالحکومت میں تبادلہ خیال کے لئے بلایا تھا۔ مگر ہائزبرگ نے جانے سے انکار کردیا۔ کیونکہ اس کو یقین تھا کہ اس طریق کار سے نئے یا مددگار آئیڈیاز سامنے نہیں آئیں گے۔

ہائزن برگ بلاشبہ عزت افزائی کے قابل ہے۔ لیکن کیا یہ اس مسئلہ کا حل پیش کرتا ہے کہ سائنس دان بھی بقراط کے حلفیہ عہد Hippocrates Oath کے طرز کے ایک عہد نامے پر ہاتھ دھریں جیسے کہ ڈاکٹرز کرتے ہیں یعنی وہ ایسے سائنس پراجیکٹس پر ریسرچ نہیں کریں گے بشمول بائیوٹیکنالوجی اور بائیوانجینئرنگ کے پروجیکٹس جو بالآخر نوع انسانی کے لئے نقصان دہ ثابت ہوں گے۔

جہاں تک کہ امریکہ ایس ڈی آئی SDI کے منصوبہ کا تعلق ہے یہ امریکہ اور برطانیہ کی یونیورسٹیوں کے کیمپوں پر خوب زیر بحث ہے۔ بدقسمتی سے جہاں جوہری ہتھیاروں کے پھیلاؤ کا تعلق ہے آج کے موجودہ حالات میں یا پھر Straetegic Defence Initiative کے جزوی طور پر کامیاب ہونے کے بعد ایسا کوئی لائحہ عمل کامیاب نہیں ہوگا۔ کیونکہ اب ہائی لیول سائنس دانوں کی مزید ضرورت نہیں ہے جو ایس ڈی آئی جیسے منصوبہ کیلئے جوہری ہتھیار تیار کرسکیں۔

اس کے برعکس اب ایسے ٹیکنالوجسٹ ہیں جو سائنس کے دریافت شدہ کے اصولوں کا استحصال کر سکتے ہیں۔ مگر کئی ایک صورتوں میں یہ امن مقاصد کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ آیا ایسے سائنس دان ایسے حلفیہ عہد نامے پر قسم اٹھانا قبول کریں گے؟ ایک پیشہ ور سپاہی سے زیادہ یا ان سے جو اسلحہ تیار کرتے ہیں۔ ان باتوں کا دارومدار ہر سوسائٹی کی طے شدہ ضرورتوں پر ہے۔ جو کہ سائنس دان کی ذمہ داریوں سے بالا ہیں۔

ٹریسٹ میں تھرڈ ورلڈ اکیڈمی آف سائنس

آئیے اب میں اس تقریر کو اس اقدام کے ذکر سے ختم کرتا ہوں جو کہ ہم نے ٹریسٹ (اٹلی) میں اٹھایا ہے۔ یعنی تھرڈ ورلڈ اکیڈمی آف سائنس کا قیام۔ اکیڈمی ایسے تھرڈ ورلڈ کے نامور سائنس دانوں کے لئے لائحہ عمل تیار کرتی ہے جو اس بات پر فکر مند ہیں کہ ہمارے ممالک میں سائنس کی حالت زار کیسی ہے؟ نیز وہ ساؤتھ کے ممالک میں گلوبل ریسرچ پروجیکٹس پر بھی مشوش ہیں۔

اکیڈمی کی پہلی میٹنگ سے 5 جولائی 1985ء کو اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری نے افتتاحی خطاب کیا اور 63 ترقی پذیر ممالک کے مندوبین نے شرکت کی۔ تا وہ قیام امن، فلاح و بہبودی اور انسانیت کی دگرگوں صورت حال پر گفتگو کرسکیں۔ جنرل سیکرٹری نے اپنے سحرانگیز خطاب میں فرمایا:

☆ تمام آنرز ایسی سائنس کے لئے جو کائنات کا کھوج لگاتی ہے اور اس کے اسرار طشت ازبام کرتی ہے۔

☆ تمام آنرز ایسی سائنس کے لئے جو دماغ اور جسم کے درمیان اجتماعی نظام کے کام کو شرح وبسط سے بیان کرتی ہے۔

☆ تمام آنرز ایسی سائنس کو جو درد اور تکلیف کم کرنے کے ذرائع تلاش کرتی ہے۔

☆ تمام آنرز ایسی سائنس کو جو زمین کے حدود اربعہ کو وسعت دے رہی ہے اور جو مختلف نوع کے انسانوں اور معاشروں کے درمیان کمیونی کیشن کو بہتر سے بہتر بنا رہی ہے۔

لیکن کوئی آنرز ایسی سائنس کے لئے نہیں جس میں پیار اور ہمدردی نہیں اور جو انسان کی امیدوں اور خوف سے کوئی سروکار نہیں رکھتی ہے۔ خاص طور پر ہمارے عہد کا سب سے بڑا یہ خوف کہ کہیں تمام نوع انسانی اجتماعی طور پر خودکشی کی مرتکب نہ ہو جائے۔ نوسو سال قبل عالم اسلام کے ایک جلیل القدر طبیب الاصولی جو بخارا کا رہنے والا تھا اس نے ایک میڈیکل فارما کوپیا تصنیف کیا۔ جس کو اس نے دو حصوں میں تقسیم کیا: امراء کی بیماریاں اور غریبوں کی بیماریاں اگر الاصولی آج زندہ ہوتا اور آج کے مسائل کے بارہ میں اپنے خیالات قلم بند کرتا اور وہ تباہیاں جو انسانیت نے اپنے اوپر وارد کر لی ہیں۔ تو مجھے قوی امید ہے کہ وہ اپنے مخزن ادویہ کو انہی حصوں میں تقسیم کرتا۔ یعنی اس کی کتاب کا ایک حصہ نیوکلیئر تباہی کی مصیبت کا ذکر کرتا جو انسانیت کی نصف امیر آبادی نے اس پر لاکھڑی کی ہے اور کتاب کا دوسرا حصہ اس مصیبت کا ذکر کرتا جس کو نصف نوع انسانیت برداشت کر رہی ہے۔ یعنی انڈرڈیولپمنٹ اور انڈرنورشمنٹ، نیز قحط سالی۔

وہ ان مصائب کی وجہ بھی بیان کرتا کہ ان مصیبتوں کا مآخذ اور منبع ایک ہی چیز ہے۔ امیر حصہ کے لئے سائنس اور ٹیکنالوجی کی زیادتی اور غریب حصہ کے لئے سائنس اور ٹیکنالوجی کا نہ ہونا۔

وہ نوع انسانی کی مؤخرالذکر مصیبت کا بھی ذکر کرتا یعنی انڈر ڈیولپمنٹ۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ دنیا میں کافی ذرائع موجود ہیں، ٹیکنیکل، سائنسی اور مادی ذرائع جن کے ذریعہ سے غربت کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے، بیماری کو دور کیا جا سکتا ہے اور (غیر ضروری) اموات کو تمام دنیا سے دور کیا جا سکتا ہے اگر یہ ایسا کرنا چاہے۔

فرانس۔ پرتگال جنگ

تاریخ شاہد ہے کہ انیسویں صدی کا آغاز جنگ کے نقاروں کی گونج میں ہوا۔ پہلا تصادم فرانس واسپین اور پرتگال کے درمیان ہوا۔ اس جنگ کو دارآف اورنجیز 1801ء کا نام دیا گیا۔ دراصل، فرانس کا حکمران، نپولین اپنے توسیع پسندانہ تجارتی مفادات کی تکمیل کے لئے پرتگال کی بندرگاہوں پر تصرف حاصل کرنا چاہتا تھا، لیکن پرتگالی حکمران اسے یہ مراعات دینے کو تیار نہ تھے۔ چنانچہ اپریل 1801ء میں فرانس نے پرتگال پر حملے کی تیاریاں مکمل کرلیں، لیکن اس سے قبل قریبی ہمسایہ ریاست اسپین کی ہمنوائی کو ضروری سمجھا گیا۔ فرانسیسی فوج کے کمانڈر (Manuel de Godoy) نے اسپین کی حمایت کرنے سے قبل اسپین کی ملکہ کے لئے عمدہ نارنگیوں کی پیٹیاں بطور تحفہ روانہ کیں، جو خیر سگالی کی علامت تھیں۔ اس لیے اس جنگ کو ''جنگ نارنگی'' کا نام دیا گیا۔

اس جنگ میں فرانس اور اسپین کی افواج کو پرتگال کے خلاف فتح حاصل ہوئی اور پرتگال کے کئی علاقے ان کے زیر تسلط آ گئے۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ تک جاری رہنے والی جنگ کے اختتام پر جون 1801ء میں فریقین کے درمیان معاہدہ امن تشکیل پایا، جس کے تحت پرتگال نے اپنی بندرگاہیں فرانس کو مقررہ وقت کے لئے بلامعاوضہ اور بقیہ عرصہ کے لئے رعایتی معاوضے پر دینے کا اعلان کیا، اور اس طرح نپولین اپنی من مانی میں کامیاب ہو گیا۔ یہ ہی نہیں، بلکہ نپولین نے انیسویں صدی کے پہلے ارلع میں اپنے توسیع پسندانہ عزائم کو تنازعات کی شکل دے کر ہند چینی، میکسیکو اور ارجنٹائن تک سے خون ریز جنگیں کیں۔

اک شمع سی سینے میں جلا دیتے ہیں روزے

اوقات کار سحر و افطار ربوہ

رمضان المبارک 2003ء

افطار		سحر		ایام	اکتوبر نومبر	رمضان
05	26	04	58	سوموار	27	1
05	25	04	58	منگل	28	2
05	24	04	59	بدھ	29	3
05	23	05	00	جمعرات	30	4
05	23	05	01	جمعہ	31	5
05	22	05	01	ہفتہ	یکم نومبر	6
05	21	05	02	اتوار	2	7
05	20	05	03	سوموار	3	8
05	19	05	04	منگل	4	9
05	18	05	05	بدھ	5	10
05	18	05	06	جمعرات	6	11
05	17	05	06	جمعہ	7	12
05	17	05	06	ہفتہ	8	13
05	16	05	07	اتوار	9	14
05	15	05	08	سوموار	10	15

افطار		سحر		ایام	اکتوبر نومبر	رمضان
05	15	05	09	منگل	11	16
05	14	05	09	بدھ	12	17
05	13	05	10	جمعرات	13	18
05	13	05	11	جمعہ	14	19
05	12	05	12	ہفتہ	15	20
05	12	05	12	اتوار	16	21
05	11	05	13	سوموار	17	22
05	11	05	14	منگل	18	23
05	10	05	15	بدھ	19	24
05	10	05	15	جمعرات	20	25
05	10	05	16	جمعہ	21	26
05	09	05	17	ہفتہ	22	27
05	09	05	18	اتوار	23	28
05	09	05	19	سوموار	24	29
05	08	05	19	منگل	25	30

نوٹ: ربوہ میں طلوع اور غروب آفتاب لاہور سے 6 منٹ بعد ہوتا ہے جو مذکورہ اوقات میں شامل ہے

اطلاعات واعلانات

ولادت

مکرم سلطان احمد ڈوگر صاحب مینیجر ضیاء الاسلام پریس ربوہ لکھتے ہیں کہ خداتعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے بیٹے مکرم صداقت احمد صاحب انچارج شعبہ کمپیوٹر مجلس انصاراللہ پاکستان کو مورخہ 23/ اکتوبر 2003ء کو پہلی بیٹی سے نوازا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے شافیہ صداقت نام عطا فرمایا ہے۔ اور تحریک وقف نو میں شامل ہے۔ نومولودہ مکرم محمد صدیق صاحب (عوامی کریانہ سٹور ربوہ) کی نواسی ہے اللہ تعالیٰ بچی کو نیک، خادمہ دین، باعمر اور والدین کے لئے قرۃ العین بنائے۔ آمین

درخواست دعا

مکرم عبدالکریم کوثر صاحب سیکرٹری امور عامہ رحمان کالونی شوگر کی وجہ سے کئی پیچیدگیوں سے دوچار ہیں۔

مکرم رفیق احمد ثاقب صاحب کے خسر مکرم ملک عنایت اللہ صاحب سابق صدر حلقہ گارڈن ٹاؤن لاہور شدید بیمار ہیں اور بے حد کمزور ہو چکے ہیں۔

مکرم عبدالغفور رندھاوا صاحب دارالعلوم غربی صادق کی بھانجی مکرمہ فرحت اقبال صاحبہ اہلیہ مکرم مغفور احمد صاحب چک نمبر 108 چوہدری والا ضلع فیصل آباد جن کے تین چھوٹے چھوٹے بچے ہیں کالے یرقان کے مرض میں مبتلا ہیں۔ سب مریضوں کی شفایابی کے لئے درخواست دعا ہے۔

گمشدہ اشیاء

مورخہ 22/ اکتوبر کو ایک عدد پلاسٹک کا فائل کور جس میں ای سی جی رپورٹ۔ ادویات ٹوپی اور عینک تھی اقصیٰ روڈ سے دارالعلوم وسطی کے درمیان کہیں گر گیا ہے۔ جس کسی کو ملے براہ مہربانی فون نمبر 212306 پر اطلاع دیں یا دفتر صدر عمومی میں پہنچا دیں۔

چاندی میں ایس اللہ کی نئی انگوٹھیوں کی قیمتوں میں حیرت انگیز کمی - فرحت علی جیولرز اینڈ زری ہاؤس
یادگار روڈ ربوہ
فون. 213158

تاج اینڈ سنز الیکٹرک سٹور
فون 213765
اپنی پرانی واشنگ مشین دے کر نئی حاصل کریں
نہایت معقول قیمت بازار سے بارعایت اور موٹر کی 5 سالہ گارنٹی کے ساتھ
نزد اقصیٰ گیٹ نمبر 5

دانتوں کا معائنہ مفت ☆ عصر تا عشاء
احمد ڈینٹل کلینک
ڈینٹسٹ: رانا مدثر احمد/ طارق مارکیٹ اقصیٰ چوک ربوہ

دوا تدبیر ہے اور دعا اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کرتی ہے
مطب حکیم میاں محمد رفیع ناصر
کامیاب علاج ہمدردانہ مشورہ
عورتوں کی مرض اٹھرا، بچوں کا چھوٹی عمر میں فوت ہو جانا، اور بے اولاد مرد اور عورتوں کا کامیاب علاج
اوقات مطب
موسم گرما: صبح 8 تا 1 بجے شام 4 تا 8 بجے
موسم سرما: صبح 9 تا 2 بجے شام 4 تا 7 بجے
جمعۃ المبارک صبح 8 تا 11 بجے
بروز جمعرات ناغہ
ناصر دواخانہ رجسٹرڈ گولبازار ربوہ
فون: 211434-212434
فیکس: 04524-213966

Mobilink
An ORASCOM TELECOM Company
Franchise Sales & Customer services
سیٹ بمعہ کنکشن اب صرف -/2599 روپے میں
109۔ جی ٹی روڈ نزد باجوہ ہسپتال شاہدرہ لاہور
فون: 7910160-0300-871145
موبائل: 0300-7914160-9485321

جائیداد کی خرید وفروخت کا بااعتماد ادارہ
دوبئی پراپرٹی سنٹر
(خوشخبری) رجسٹریاں بازار سے بارعایت کروانے کیلئے ہم سے رابطہ کریں
دارالرحمت شرقی الف ربوہ فون: 213257
پروپرائٹر: سعید احمد۔ فون گھر: 212647

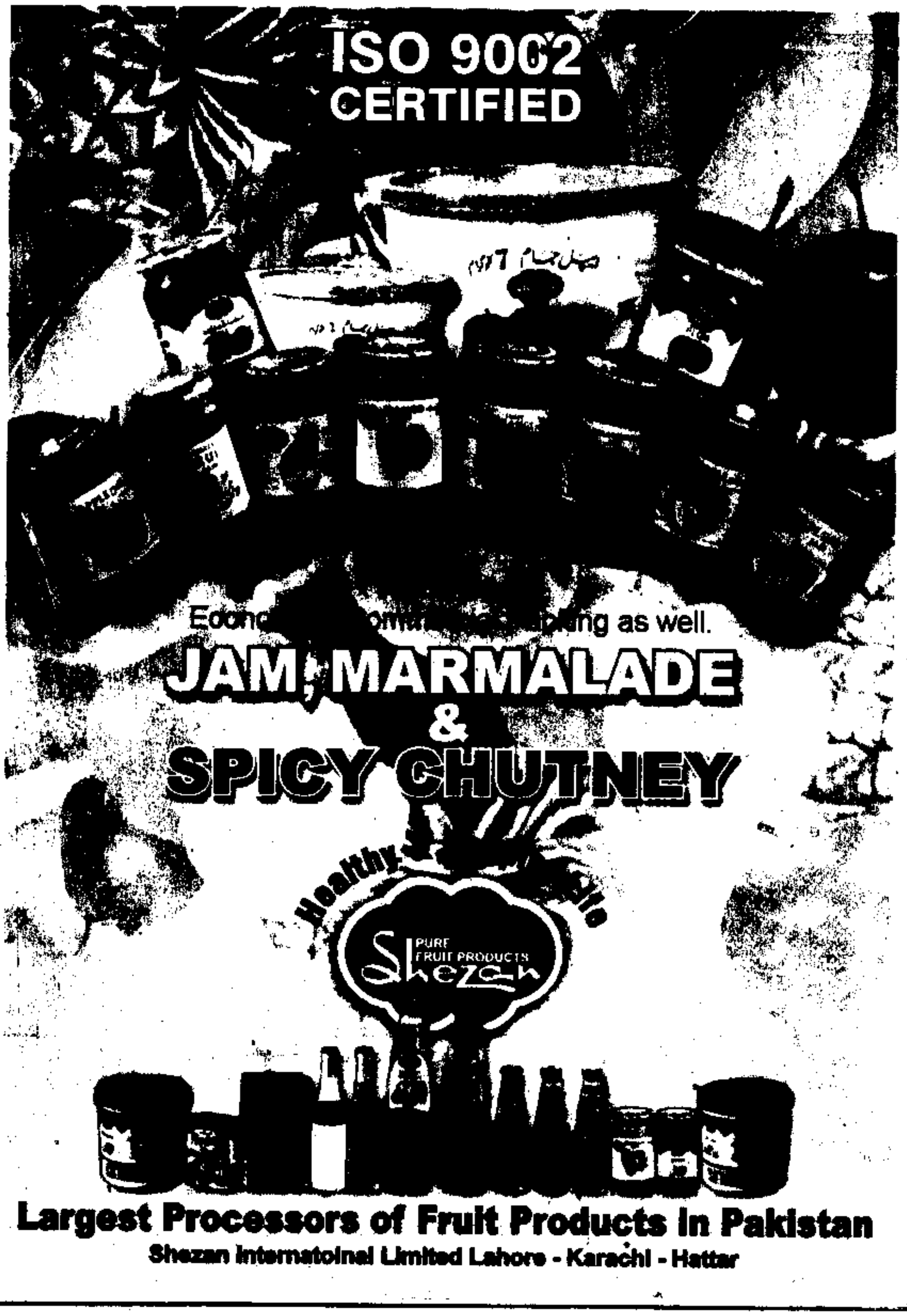

روزنامہ الفضل رجسٹرڈ نمبر سی پی ایل 29